مقالہ خصوصی

اردو ذریعہ تعلیم

محمد شریف نظامی*

زبان دراصل ایک سماجی فعل اور کسی بھی قوم کے وجود، بقا اور اس کی ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔دراصل یہ ایک نسل سے دوسری نسل تک پُل کا کام دیتی ہے۔بعض دیگر اہم مسائل کی طرح، بدقسمتی سے ہماری حکومتیں ذریعہ تعلیم کے مسئلہ کو حل کرنے میں بھی ناکام رہی ہیں۔ اس وجہ سے ملک میں تعلیم کے فروغ، اس کی کیفیت اور ثقافت و سیاست نیز معیشت کے میدان میں ہم نے کھویا تو بہت کچھ ہے لیکن پایا بہت کم ہے۔ارباب اقتدار اور مراعات یافتہ طبقات کو تو روزِ اوّل سے ہی انگریزی ذریعہ تعلیم کا ''بخار'' چڑھا ہوا تھا لیکن چند سالوں سے عوام الناس بھی اس ''مرض'' میں تیزی سے مبتلا ہونے لگے ہیں اور ترقی بذریعہ انگریزی کا غلغلہ بلند ہے۔ حال ہی میں حکومتِ پنجاب نے پورے صوبہ کے سرکاری اسکولوں میں پہلی سے دسویں جماعت تک جبراً ''انگلش میڈیم'' نافذ کر دیا ہے۔لہٰذا ان حالات میں جھوٹے حکومتی پروپیگنڈے کا پول کھولنے کے لیے اس مسئلہ کو حقائق کے تناظر میں دیکھنا لازم ہے۔

آئندہ سطور میں اردو کی تاریخی اہمیت، اس کی عالمی زبان ہونے کی حیثیت، جدید علوم کے حصول کے حوالے سے اس کی وسعت وصلاحیت اور اس کی آئینی حیثیت پر اظہار خیال کیا جائے گا۔ان پہلوؤں کے علاوہ ایک نہایت تلخ حقیقت، اُردو پر مختلف حملوں، کا تذکرہ بھی کر دیا گیا ہے۔جس کی غرض اہل دانش اور اصحابِ اقتدار کی توجہ اس جانب مبذول کرانا ہے کہ آخر ہماری قومی بلکہ عملاً اسلامی زبان غیروں سے بڑھ کر اپنوں کے مظالم کا کیوں شکار ہوتی رہی ہے؟ جبکہ موجودہ حکومت پنجاب کے حالیہ اقدام نے تو اس کی انتہا کر دی ہے۔ فی الواقع اس کتابچہ کی تحریر کا فوری سبب بھی یہی قومی سانحہ بنا ہے۔آغاز پر یہ بتا دینا بھی لازم ہے کہ احقر کسی لسانی یا نسلی عصبیّت، علاقائی رقابت اور پیشہ ورانہ وابستگی سے بالاتر ہو کر درج ذیل تحریر سپرد قلم کر رہا ہے۔

* ڈاکٹر، ریسرچ ایڈوائزر، مسقط یونیورسٹی   برقی پتا: sharifnizami@yahoo.com
تاریخِ موصولہ: ۲۲/۵/۲۰۱۲ء

تاریخی اہمیت:

گلکرسٹ (ایک انگریز) نے سب سے پہلے اُردو کوفورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ۱۸۰۰ء میں اپنایا اوراس میں متعدد قابل قدر تصانیف مکمل کروائیں۔ ۱۹۱۸ء میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد (دکن) میں اسے بطور ذریعہ تعلیم اپنایا گیا۔ سائنس، انجینئرنگ، آرٹس اور جملہ علوم، ایم اے، ایم ایس سی کی سطح تک، اردو میں ہی پڑھائے جاتے رہے۔ اس کے بعد ۱۹۲۷ء میں میڈیکل کی تعلیم بھی اُردو میں شروع ہوگئی۔ یہاں تک کہ ۱۹۴۸ء میں بھارت نے اس پر غاصبانہ قبضہ کرکے یہ سلسلہ ختم کردیا۔ مشرقی پنجاب کے انجینئرنگ کالج رُڑکی میں ۱۹۳۵ء میں ذریعہ تعلیم اُردو ہی تھی۔ اسی طرح آگرہ میڈیکل کالج میں ۱۹۳۸ء کے دوران، اُردو اور انگریزی دونوں بطور ذریعہ تعلیم رائج تھیں۔ مزید یہ کہ ۱۹۴۱ء میں دہلی کالج میں یہی زبان ہی حصولِ علوم وفنون کا ذریعہ بنی۔ جامعہ ملّیہ دہلی میں نصف صدی تک تمام علوم اُردو میں پڑھائے جاتے رہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک میڈیکل گریجویٹ کوملٹری ہسپتال کا کمانڈنٹ آفیسر بنایا گیا اوراس کا اردو میں طب پڑھنا آڑے نہ آیا۔ ۱۹۳۵ء میں برٹش میڈیکل کالج کونسل نے یہاں کے فارغ شدہ میڈیکل گریجوایٹس کو برطانیہ میں براہ راست ایف آرسی ایس کا امتحان دینے کی اجازت دی۔ ان سب سے بڑھ کر چشم کُشا امر یہ ہے کہ ۱۸۰۷ء میں کلکتہ میڈیکل سکول میں انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ ۱۸۱۸ء میں لندن میں علوم شرقیہ کا ادارہ قائم کیا گیا۔ جس میں اٹھارہ اردو تصانیف کی گئیں۔ ۱۸۵۵ء میں یونیورسٹی کالج لندن، ۱۸۵۹ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی اور ۱۸۶۰ء میں کیمبرج یونیورسٹی میں اردو کی تعلیم و تدریس شروع کی گئی۔ متعدد حضرات نے لندن یونیورسٹی سے اردو میں پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی حاصل کیں۔ اسی طرح پروفیسر رالف رسل نے اردو کو برطانیہ میں مقبول بنانے کے لیے اس کے استادشعرا پر کتب تحریر کیں۔ ملکہ وکٹوریہ اردو کی خوبیوں سے متاثر ہو کر اس کی اتنی شائق ہوگئی تھیں کہ اسے سیکھنا شروع کردیا۔ وہ بعض اوقات اپنی ڈائری بھی اردو میں تحریر کیا کرتی تھیں۔

غیروں کی گواہی:

جب ۱۹۱۷ء میں عثمانیہ یونیورسٹی میں تمام مضامین اردو میں پڑھانے کا سوچا جانے لگا تو اس غرض کے لیے تعلیمی کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں سارے ماہرین ہندوستانی اور صرف ایک گورا (انگریز) تھا۔ اس کے علاوہ سب نے، ہمارے آج کل کے بلکہ پوری تاریخ پاکستان کے ارباب حل وعقد کی طرح، اسے رواج دینے کے راستے میں مشکلات کا تذکرہ شروع کردیا۔ بات کافی لمبی ہوگئی تو اس انگریز نے زور زور سے میز پر مُکّے مارتے ہوئے کہا: ''تم کیا فضول بحث شروع کیے بیٹھے ہو۔ جب دوسو سال پہلے برطانیہ میں انگریزی کو لاطینی کی جگہ بطور ذریعہ تعلیم اختیار کیے

جانے کی بات ہوئی تو بالکل ایسے ہی دلائل دیے گئے۔چھوڑو اس فضول بحث کو اور اردو میں تراجم کا کام شروع کردو''۔ اس پر کمیٹی میں سناٹا چھا گیا اور ارکان بغلیں جھانکنے لگے۔کاش! اس گورے کی بات ہی مان کر اردو کو یوں اپنے وطن سے بے دخل نہ کیا جائے۔آج ہماری حکومتیں بھی عثمانیہ یونیورسٹی کی تعلیمی کمیٹی کے مقام پر کھڑی ہیں۔درحقیقت اردو ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بلکہ اس کا سبب کچھ اور ہے۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

لارڈ چیمس فورڈ، وائسرائے ہند کی انگریزی ذریعہ تعلیم کے حوالے سے ۱۹۱۷ء میں دی گئی رائے بھی عقل و دانش کے دریچے کھولنے میں بہت مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ایک موقعہ پر انہوں نے اس حوالے سے کہا:''مقامی طالب علم نوکریوں کی غرض سے ایک مشکل اور غیر ملکی زبان کو طوطے کی طرح رٹ تو لیتے ہیں لیکن حاصل شدہ علوم پر انہیں بہت کم عبور حاصل ہوتا ہے۔یہ تعلیم نہیں بلکہ تعلیم کا منہ چڑانا ہے۔'' واضح رہے کہ لارڈ صاحب نے یہ بات ماہرین تعلیم کے ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے کہی تھی۔

جب عثمانیہ یونیورسٹی کے اردو ایم بی بی ایس ڈاکٹروں کی صلاحیت کا ۱۹۳۵ء میں، میڈیکل جنرل کونسل نے خوب جانچ پڑتال کے بعد جائزہ لیا تو رپورٹ دی:''اگر میڈیکل کی تعلیم انگلستان، فرانس، جرمنی اور ہالینڈ و دیگر اپنی اپنی زبانوں میں دے سکتے ہیں تو بلاشبہ یہ اُردو میں بھی ممکن ہے جیسا کہ اس یونیورسٹی کے فارغ التحصیل میڈیکل گریجویٹ ثابت کرچکے ہیں۔''

جان مولٹ سیکرٹری کونسل آف ایجوکیشن نے جب دہلی کالج کا معائنہ کیا تو تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا''یہاں جو اردو میں تعلیم دی جاتی ہے اس کا معیار قابل تعریف ہے۔'' روس میں بہت پہلے روسی اردو لغت تیار کی جاچکی تھی جسے اے پی۔بارانی کوف نے تالیف کیا اور اس کے بعد کئی تصانیف مکمل کی گئیں جن میں سے ایک میں انیسویں صدی کے اردو شعرا کے کلام کا جائزہ لیا گیا تھا۔

بین الاقوامی زبان:

کشمیر کے نام پر نہ جانے کون کون اس قوم کا خون چوس رہا ہے؟ ہمارے ہاں اردو غلام ہے جبکہ دوسری جانب حقیقت یہ ہے کہ آزاد ملک کی یہ ''غلام زبان'' مقبوضہ کشمیر میں ۱۸۴۶ء سے رائج ہے۔وہاں کی سرکاری زبان اور میٹرک تک ذریعہ تعلیم ہے۔چین کی پیکنگ یونیورسٹی میں ۱۹۵۶ء سے اردو کا ڈگری کورس جاری ہے اور وہاں کے مشہور شاعر انتخاب عالم (چینی نام: چانگ شی شون) سے اہل علم و دانش بخوبی واقف ہیں۔مشہور عالم مصری مغنیہ اُمِّ

کلثوم نے علامہ اقبال کے شکوہ اور جواب شکوہ کا منظوم عربی ترجمہ گا کر عالم عرب میں تہلکہ مچا دیا تھا۔

تاشقند یونیورسٹی میں اردو ۱۹۴۳ء سے پڑھائی جارہی ہے۔ تاجکستان میں بچے بچے کو کلام اقبال سے محبت ہے۔ ہر گھر میں ان کا اردو کلام موجود ہے۔ لہٰذا علامہ اقبال کا صد سالہ جشن ولادت وہاں دھوم دھام سے منایا گیا تھا۔ برما کا صوبہ اراکان اردو بولتا اور سمجھتا ہے۔ وہاں اردو شناسوں کی کئی انجمنیں قائم ہیں۔ رحمٰن محمد جانوف ازبکستان کے اردو سکالر تھے۔ وسطی ایشیا کی ریاستوں کا ہر اردو جاننے والا ان کا شاگرد تھا۔ اس وجہ سے آپ پورے خطے میں ''استاد جی'' کے نام سے معروف تھے۔ اسی طرح ایک اردو دانشور تابش مرزا نے ۱۹۹۴ء میں اردو۔ازبک اور اردو۔ روسی لغت تیار کی۔ ''استاد جی'' کی بیٹی سیارہ جواب بھی اردو پڑھاتی ہیں، کو صدر پاکستان نے تمغہ حسنِ کارکردگی عطا کیا۔ اُردو اور اُزبکی زبان میں دس ہزار الفاظ مشترک ہیں۔ ترکی کی تین یونیورسٹیوں میں اُردو کے شعبے موجود ہیں۔ بیس سے زیادہ ممالک کے قومی ریڈیو اردو میں باقاعدگی سے پروگرام نشر کرتے ہیں۔ اوساکا میں ۱۹۲۲ء اور ٹوکیو میں ۱۹۴۵ء سے اردو پڑھائی جارہی ہے جبکہ مصر کے طلبا پنجاب یونیورسٹی سے اُردو میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لے چکے ہیں۔

پیرس میں ۱۶۶۹ء میں ''مدرسہ اشرافیہ'' قائم ہوا۔ مشہور فرانسیسی مستشرق پروفیسر گارسان دتاسی وہیں پڑھے اور بعد میں اردو کے پروفیسر تعینات ہوئے۔ پوری زندگی اس ''اپنے دیس میں پردیسی'' زبان کے فروغ کے لیے وقف کردی۔ ان کی اردو میں پانچ تصانیف اس کی عالمی حیثیت وصلاحیت کے حوالے سے بطورِ گواہ اب بھی موجود ہیں۔ کینیا میں ۱۹۶۳ء تک اردو پڑھائی جاتی رہی لیکن جونہی انگریز نکلے اور ملک آزاد ہوا تو ساتھ ہی اردو کو بیک بینی دوگوش باہر نکال دیا گیا۔ جنوبی افریقہ کی ڈربن یونیورسٹی میں اب بھی بی اے تک اردو پڑھائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک کے مشہور عالم استاد اور اسلامی مبلغ ومناظر جناب احمد دیدات کا تعلق بھی جنوبی افریقہ ہی سے تھا۔ جو بیک وقت اردو اور انگریزی کے شعلہ بیان خطیب تھے۔ یہ امر بھی قارئین کے لیے دلچسپی کا حامل ہوگا کہ امریکی، چینی، فرانسیسی، پرتگیزی اور اطالوی شعرا نے بھی اردو میں طبع آزمائی کی۔ فرانسیسی پروفیسر گارسان دتاسی نے ملکِ پاکستان میں دردر کے دھکے کھانے والی اردو کو دنیا میں انتہائی ترقی یافتہ زبانوں میں شمار کیا۔ یہاں قابل غور یہ افسوسناک امر ہے کہ ہر بار جب اردو پر اپنے ہی حملہ آور ہوتے ہیں تو دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اردو کا دامن تنگ ہے اور جدید علوم وفنون کے لیے ذریعہ تعلیم بننے کے قابل نہیں ہے۔ جن سے ہمارے دانشور اور اہل اقتدار عقل ودانش کی بھیک مانگتے ہیں نہ جانے ان کے دماغ کیوں اتنے چل گئے ہیں کہ صدیوں سے اس ''زبانِ بے زبان'' کے لیے رطب اللسان رہے۔

وُسعت وصلاحیّت:

ماضی میں انگریزی کبھی بھی سائنسی زبان نہیں رہی۔ ۱۵۰۰ء تک اس پر فرانسیسی کا غلبہ تھا۔ پھر لاطینی کا طلسم چھا گیا (جیسا کہ عثمانیہ یونیورسٹی کی کمیٹی میں گورے نے تذکرہ کیا)۔ جب ان کے غلبہ سے نکلی تو بیکن کے پائے کے فلسفی اور نیوٹن جیسے سائنسدان پیدا ہوئے جنھوں نے ذاتی مشاہدے کو قومی زبان میں تحریر کیا اور اس کے بعد انگریز قوم میں بڑے بڑے دانشور اور سائنسدان پیدا ہونے لگے کیونکہ انہوں نے اپنی زبان میں سوچا اور اسی میں لکھا بھی۔ جہاں تک اردو کی وسعت وصلاحیت برائے ذریعہ تعلیم کا تعلق ہے تو اس پر ایک عالم گواہ ہے۔ دیگ میں سے صرف چند چاول پیشِ خدمت ہیں:

یہ وہ زبان ہے جو قرآن اور آسمانی کتب کا ترجمہ کرسکتی ہے، مختلف علوم وفنون پر بحث کرنے کے قابل ہے۔ اس وقت عربی کے بعد سب سے زیادہ اسلامی کتب وجرائد اُردو میں ہیں اور قرآن مجید کی ایک سو سے زیادہ تفاسیر موجود ہیں۔ مولانا مودودیؒ کی بیشتر کتب کا ترجمہ دنیا کی پچھتر زبانوں میں ہو چکا ہے۔ بلکہ تمام مسلمانوں میں سب سے زیادہ بولی اور پڑھی جانے والی زبان بھی اُردو ہی ہے۔ سرسید احمد خان اور علامہ اقبال کے جذبات کی مکمل اور بھرپور ترجمانی کے لائق ثابت ہو چکی ہے اور دنیا کی معروف بین الاقوامی زبانوں میں پیش کردہ افکار کو کامیابی سے اپنے اندر سموسکتی ہے۔ سرراس مسعود (سرسیّد کے پوتے اور وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے بقول ''ہندوستان، جس نے انگریزی کو بطور ذریعہ تعلیم اپنا رکھا ہے۔ ایک ایسا لنگڑا اور اپاہج معلوم ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے ہاتھ پاؤں (اپنی قومی زبان اردو) سے کام نہیں لیتا بلکہ وہ ان لکڑیوں (انگریزی) کے سہارے اچھلتا ہے جو یہاں سے چھ ہزار میل دور ایک ملک میں تیار ہوتی ہیں''۔ اب سرتیج بہادر سپرو کی سنیے۔ ''میں کئی یونیورسٹیوں کا ممتحن ہوں۔ عثمانیہ یونیورسٹی جہاں اردو ذریعہ تعلیم ہے، کے پرچے دیکھ کر مجھے احساس ہوتا ہے کہ اس کے طلبا جو کچھ لکھتے ہیں سمجھ کر لکھتے ہیں جبکہ دوسرے صرف رٹا لگاتے اور یہی کچھ تحریر کرتے ہیں۔'' اس ضمن میں سابق وفاقی وزیر تعلیم ڈاکٹر افضل کے خیالات ملاحظہ ہوں۔ ''اردو میڈیم میں پڑھے ہوئے طلبا کے نتائج انگلش میڈیم والوں سے بہتر ہوتے ہیں''۔ ڈاکٹر محمود عالم پاکستان کے نہایت مشہور ماہر امراض قلب تھے۔ انہوں نے میڈیکل سائنس پر متعدد کتب تحریر کیں۔ ان کی اُردو کتب نہایت سادہ زبان میں ہیں اور معمولی پڑھے لکھے شخص کی سمجھ میں آنے والی ہیں۔ اس طرح پاکستان کے ایک سابق چیف جسٹس جناب شیخ انوار الحق کے مطابق: ''بیسویں صدی کے آغاز تک اسسٹنٹ سرجن کلاس کی تدریس انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی ہوتی رہی ہے۔ میڈیکل کی متعدد کتب کا ترجمہ اردو میں کیا گیا جو اب تک پرانی لائبریریوں میں موجود ہیں۔'' دیکھیے! مقتدرہ قومی زبان کے سابق صدر نشین اور ممتاز ماہر تعلیم، ڈاکٹر جمیل جالبی جو بطور وائس چانسلر بھی خدمات انجام دیتے رہے ہیں کیا فرماتے ہیں: ''ایک زبان کی حیثیت سے اردو میں وہ

ساری صلاحیتیں موجود ہیں۔جو ذریعہ تعلیم کے لیے لازم ہوتی ہیں“۔ ڈاکٹر غلام السیّدین، علی گڑھ یونیورسٹی کے ٹریننگ کالج کے پرنسپل تھے اور بعد میں ریاست جموں وکشمیر کے ڈائریکٹر تعلیمات بھی رہے۔ان کے بقول: ”ایک اوسط طالب علم کے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ وہ کسی مضمون کا مطالعہ ایک غیر زبان میں کرے۔طلبا کی آدھی توجہ الفاظ پر ہوتی ہے اور آدھی مطلب پر۔اس طرح بہت سا وقت اور محنت ضائع ہوجاتی ہے“۔اب دیکھیے پنجاب یونیورسٹی کے ایک نہایت معروف وائس چانسلر اور مولانا ظفر علی خان کے بھائی پروفیسر حمید احمد خاں کا عمر بھر کا تجربہ کیا کہتا ہے۔

”میں نے انگریزی زبان کی تدریس و تحقیق میں عمر کا بڑا حصہ صرف کیا ہے اور میری معاش بھی اسی سے وابستہ ہے۔ لیکن سچ پوچھیں تو پاکستان میں جتنا جلد اُردو کو ذریعہ تعلیم بنا دیا جائے، ہمارے لیے اتنا ہی بہتر ہے۔“

جب کسی زبان میں انسائیکلو پیڈیا طبع ہونے لگیں تو اسے ایک بین الاقوامی سطح کی زبان گردانا جاتا ہے۔اس وقت ۲۸ سے زیادہ اردو انسائیکلو پیڈیا موجود ہیں جن میں سے کئی کی ضخامت ۱۵ جلدوں سے لے کر ۲۳ جلدوں تک ہے۔ دوسری طرف اردو لغات کے معاملے پر غور کریں۔۱۹۹۶ء تک ۶۲۹ لغات طبع ہو کر مارکیٹ میں آچکی تھیں۔ پاکستان میں اردو کی کارگزاری بحیثیت کامیاب ذریعہ تعلیم کے لیے بابائے اردو کے قائم کردہ اردو کالج اور اُردو سائنس کالج کراچی کی مثالیں موجود ہیں۔ جہاں ۱۹۶۹ء سے تمام مضامین ہماری قومی زبان میں پڑھائے جا رہے ہیں اور اچھی خاصی تعداد میں کتب تصنیف کی جا چکی ہیں۔ اردو زبان میں انگریزی کے ایک ایک لفظ کے مقابلے میں تین تین لفظ موجود ہیں کوئی سوچ، کوئی خیال اور کوئی نظریہ ایسا نہیں جو اس زبان میں ادا نہ کیا جاسکے۔قومی اردو۔انگریزی لغت دو لاکھ الفاظ پر مشتمل ہے۔ یہ لغت دنیا میں کسی بھی موضوع پر انگریزی زبان کے مترادفات فراہم کرتی ہے اور دوسو سے زیادہ سائنسی علوم وفنون کا احاطہ کرتی ہے۔علامہ اقبال کے اردو میں افکار عالیہ کا ترجمہ دنیا کی تمام قابل ذکر زبانوں میں ہوچکا ہے۔ یونیسکو کی ایک رپورٹ کے مطابق اُردو دنیا کی دوسری بڑی زبان ہے جبکہ اول نمبر پر چینی ہے۔چینی زبان چونکہ صرف ایک ہی ملک اور دنیا کے محدود خطہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔لہٰذا مجموعی طور پر عالمی سطح پر دیکھا جائے تو اردو اس وقت سب سے بڑی زبان ہے۔

ہمارے انگریزی کے دلدادہ افسران بالا اور کار پردازان حکومت ملکی ماہرین کی آرا کو تو شاید زیادہ اہمیت نہ دیتے ہوں گے لیکن انہیں کم از کم ایک غیر جانبدار غیر ملکی اور مشہور ماہر لسانیات نیپال کے آنند راج اُپادھیائے کی رائے پر تو دھیان دینا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں ”اپنے پس منظر اور الفاظ و معانی کے اعتبار سے اردو زبان بہت امیر ہے۔اس کی گہرائی اور گیرائی سمندر جیسی ہے“ ذریعہ تعلیم اور سرکاری زبان کے حوالے سے اٹلی کے ماہر لسانیات ماؤریسی۔اوکی رائے میں ”اردو دنیا کی واحد زبان ہے جسے پوری دنیا میں رائج کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ دنیا کی مقبول ترین زبانیں ادھوری ہیں“۔’جادو وہ جو سر چڑھ بولے‘ کے مترادف ایک اور اعترافِ حقیقت ملاحظہ کریں۔ لاہور میں اردو اساتذہ کی

ایک ایجوکیشن کانفرنس کا انعقاد ہوا۔اس کے اختتام پر برٹش ہائی کمشنر نے ایک پریس ریلیز جاری کی جس کے الفاظ یہ تھے۔ ''۲۰۲۰ء تک اردو دنیا کی مقبول ترین زبان بن جائے گی۔'' البتہ جہاں تک بات ہماری سرکاری اردو پالیسیوں کا تعلق ہے تو اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے:

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

موجودہ سرکاری پالیسیوں کے تناظر میں، شریف برادران اور ان کے حواریوں کے 'محسن' سابق صدر جنرل ضیاء الحق کے ایک بیان کا یہ اقتباس بھی نہایت قابل غور ہے: ''قومی زبان کی حیثیت مسلمہ ہے۔اس لیے درس و تدریس کو اُردو میں ہی اپنانا چاہیے۔'' اسی طرح موجودہ وزیراعلیٰ پنجاب کے ایک مسلم لیگی پیشرو غلام حیدر وائیں (مرحوم) نے بھی کئی بار دوٹوک الفاظ میں یہی رائے دی، احکامات بھی جاری کیے لیکن وہ سب بھی وقت کی رو میں بہہ گئے۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا تھا:

غیر ممکن ہے کہ حالات کی گتھی سلجھے
''اہلِ دانش'' نے بہت سوچ کے الجھائی ہے

اُردو کی مندرجہ بالا خوبیوں اور قرار واقعی استحقاق کی بنا پر نامور ادیب اور دانش ور ڈاکٹر سید عبداللہؒ سابق پرنسپل اورنٹیل کالج نے دورانِ حیات (ایک ہی موقع پر) پچاس لاکھ پاکستانیوں کے دستخطوں پر مشتمل محضر نامہ، اس وقت کے صدرِ مملکت کی خدمت میں پیش کیا کہ اس ''مظلوم'' پر مشقِ ستم کا سلسلہ اب ختم ہونا چاہیے۔ یونیسکو کی ایک رپورٹ کے مطابق: اگر کسی زبان میں تین سے چار لاکھ تک اصطلاحات کا ذخیرہ موجود ہو تو وہ بڑے اعتماد کے ساتھ ہر قسم کے علوم وفنون کا ذریعہ تعلیم بن سکتی ہے جبکہ اُردو میں ایسی ساڑھے تین لاکھ اصطلاحات کئی سال پیشتر تک وجود میں آچکی تھیں۔اسی طرح، تنگ دامانی کا طعنہ سننے والی ہماری قابل فخر قومی زبان میں ۲۵۰ سے زائد سائنسی و سماجی علوم کے لیے اصطلاحات کا جامع ذخیرہ موجود ہے۔

بین الاقوامی اُفق اور کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی طرف نظر اٹھائیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ امریکی ماہر لسانیات ڈونالڈ بیکر نے ذاتی استعمال کے لیے ''خوشنویس'' کے نام سے سافٹ ویئر ایجاد کی جس پر کئی کتب شائع ہوچکی ہیں۔اُردو کی جدید ترین علوم وفنون کو اپنے اندر بہ طریقِ احسن سمونے کی صلاحیت کا اندازہ اس امر سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جونہی دفتری و طباعتی کاموں کے لیے کمپیوٹر زیر استعمال آیا تو تھوڑے ہی عرصہ میں کراچی میں 'نوری نستعلیق' اور ''نظامی نستعلیق'' کے ناموں سے سافٹ ویئر ایجاد کر لئے گئے اور کاتبوں کا کام حیرت انگیز طور پر، کمپیوٹروں نے شروع کر دیا۔ جبکہ اِس وقت ایسے لاتعداد سافٹ ویئر بخوبی کام کررہے ہیں۔اس موقعہ پر یہ بات بلاخوف وتردید کہی جاسکتی ہے کہ

پاکستانی قوم اور اس کی قومی زبان اردو کی صلاحیتوں کی کوئی انتہا نہیں ہے لیکن استعمار کے ایجنٹوں نے ان دونوں کو پابجولاں کر رکھا ہے۔ بقول احمد ندیم قاسمی

حُسنِ تخلیق کی دھرتی میں جڑیں کیا پھیلیں
تم نے انسان کو گملوں میں سجا رکھا ہے

یہاں انسانوں کو تو خیر گملوں میں سجائے رکھا ہی گیا جبکہ پنجاب میں بیچاری اردو کو اب گملوں سے نکال پھینکنے کے احکامات صادر ہو چکے ہیں۔ اس تناظر میں قابل صد افسوس بات یہ ہے کہ ۱۸۵۱ء میں ایڈمنسٹریٹو بورڈ حکومت پنجاب کا اجلاس برائے انتخاب ذریعہ تعلیم ہوا تو سرکارِ انگریز نے تو یہ فیصلہ کیا کہ متحدہ پنجاب کے تمام سکولوں میں تعلیم بذریعہ زبان اردو ہی دی جائے اور اب اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سب سے بڑے صوبے میں یہ بچوں کے لیے ذریعہ تعلیم کے قابل نہیں رہی۔ ''ناطقہ سربہ گریبان ہے اسے کیا کہیے۔'' یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ آزادی کے فوراً بعد جب ۱۹۴۸ء میں پنجاب یونیورسٹی انکوائری کمیٹی نے ذریعہ تعلیم کے سوال پر دوبارہ غور وخوض کیا اور ہر طرح سے اس مسئلے کا جائزہ لیا تو قرار دیا کہ اردو انٹرمیڈیٹ تک ذریعہ تعلیم ہوگی۔

قومی ماہرین تعلیم کا فیصلہ:

اب دیکھیے کہ ملّت پاکستان کے قومی رہنماؤں اور ماہرین تعلیم نے ذریعہ تعلیم کے مسئلے پر کن آرا کا اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی فرماتے ہیں: ''عوام کی ۹۹% اکثریت جو قوم کی اصل قوت ہے اردو کے حق میں ہے صرف ایک فیصد اقلیت انگریزی جانتی ہے۔'' جسٹس (ریٹائرڈ) شیخ انوارالحق کی رائے میں ۶۰ % طالب علم انگریزی میں فیل ہو جاتے ہیں لہٰذا انہیں ناکام قرار دے دیا جاتا ہے۔ ایک اور موقعہ پر ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم نے بھی یہی بات دہرائی تھی۔ جسٹس ذکی الدین پال اس سے بھی آگے بڑھ کر حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔ ''طلبہ کی اکثریت انگریزی میں فیل ہونے کے سبب ناکام قرار دی جاتی ہے جبکہ وہ دوسرے مضامین میں اچھے نمبر لے رہے ہوتے ہیں۔ آخر اس قتل عام کا کون ذمہ دار ہے۔'' وہ مزید کہتے ہیں: ''یہ غلط تعلیمی پالیسی کا شاخسانہ ہے جس کی بنا پر اردو کو اپنا مقام نہیں دیا جا رہا۔ جب تک ایک غیر ملکی زبان کو بالادستی حاصل ہے ہم ذہنی طور پر غلام ہی رہیں گے۔ میں قانون کے امتحانات کا کئی سال تک ممتحن رہا ہوں۔ طلبہ انگریزی میں مافی الضمیر بیان نہیں کر سکتے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ طالب علم نفسِ مضمون کو تو جانتا ہے لیکن اسے انگریزی میں ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اس بنا پر کئی طلبہ فیل ہو جاتے ہیں۔'' مشہور ادیب عبدالسّلام خورشید (مرحوم) تحریک پاکستان کے دوران مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن پنجاب کے صدر بھی تھے۔ پاکستان بننے کے بعد اردو کے ساتھ سوتیلی ماں بلکہ ایک لونڈی کا سا جو سلوک روا رکھا گیا اس پر ان کا تبصرہ

بھی ایک کربناک صورت حال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔''ہماری قیادت کی یہ غلطی تھی کہ آزادی کے ساتھ ہی انگریزوں کی چال میں آ گئی۔ انگریزی کے تسلسل سے جو بیوروکریسی وجود میں آئی اس نے نسلاً بعد نسلاً اپنی چودھراہٹ برقرار رکھنے کے لیے اردو کو کبھی قریب نہ آنے دیا اور شوشہ یہ چھوڑا کہ اردو میں صلاحیت کا فقدان ہے۔ لہٰذا یہ نہ تو سرکاری زبان بن سکتی ہے اور اپنی بے سروسامانی کے سبب ذریعہ تعلیم بننے کے قابل بھی نہیں ہے۔''

پروفیسر اسماعیل بھٹی شعبہ انگریزی پنجاب یونیورسٹی کے سربراہ رہ چکے ہیں لہٰذا ذریعہ تعلیم کے مسئلہ پر ان کی رائے کو نظرانداز کرنا قطعاً قرین انصاف نہیں۔ان کی سوچ اور گہرے تجربہ کے مطابق:''جب ہم انگریزی کو غیرمعمولی تقدس دیتے ہیں تو اس وقت اس کے تہذیبی اور ذہنی اثرات کو فراموش کر جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ ممتحنوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ نرمی برتیں ورنہ ۹۰% طلبا فیل ہو جائیں گے۔پہلی کوشش میں تقریباً ۱۵% طلبا ہی پاس ہوتے ہیں۔ ہمارے گریجویٹ خصوصی مضامین کو ایک غیرزبان میں پڑھنے کی وجہ سے ان پر عبور حاصل نہیں کر سکتے اور یوں ان میں تحقیقی اور تخلیقی صلاحیتیں پیدا ہی نہیں ہو پاتیں۔لہٰذا ایسی انگریزی تدریس ہمارے مالی اور افرادی وسائل کا ضیاع ہے۔'' اب ذرا غور فرمایئے کہ ایک طرف متذکرہ بالا منہ بولتے حقائق ہیں اور دوسری طرف ۱۹۹۴ء میں انگریزی کو جماعت اوّل سے لازمی مضمون کے طور پر پڑھانے کے لیے صوبہ پنجاب میں ایک ارب پینتالیس کروڑ روپے کا بجٹ رکھا گیا جبکہ اُس سال ملک چھ کھرب نوے کروڑ روپے کا مقروض تھا۔سائنٹفک سوسائٹی پاکستان،علی گڑھ میں سرسیّد کی قائم کردہ تنظیم کی جانشین ہے۔قیام پاکستان سے لے کر حالیہ برسوں تک وہ سالانہ اردو سائنس کانفرنس کراتی رہی ہے جن میں اعلیٰ تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں اور سائنسی تحقیقی اداروں کے نمایاں ترین ماہرین تعلیم اور عملی تحقیق کرنے والے سائنسدان شریک ہوتے رہے ہیں۔اس دوران سائنسی اور تحقیقی کام پر مشتمل مقالات مکمل طور پر اردو میں پیش کیے جاتے اور ان پر کھل کر بحث و تمحیص ہوتی رہتی۔ ہر سال آخری اجلاس میں یہ قرارداد منظور کی جاتی کہ ملک کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دیا جائے۔ان کے علاوہ بھی ملک میں وقتاً فوقتاً اردو کی حمایت میں کانفرنسیں اور سیمینار منعقد ہوتے رہے جن میں درج بالا مطالبہ بار بار سامنے لایا جاتا رہا۔

اردو سرسید کی نظر میں

وطن عزیز کے مراکزِ قوت پر قابض ایک مٹھی بھر اقلیت نے دیگر معاملات کی طرح سرسید احمد خان کی تعلیمی تصویر کو بھی مسخ کر کے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا عمل جاری رکھا ہوا ہے جبکہ اردو اور انگریزی کے حوالے سے ان کے بارے میں حقائق بالکل مختلف ہیں۔علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلے کے لیے اسلامیات اور اردو کا ٹیسٹ دینا لازمی تھا۔قرآن مجید اور عربی کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی (ریٹائرڈ بریگیڈیئر اقبال شفیع، سابق گریجویٹ، علی گڑھ یونیورسٹی

سے قاضی بلال کا انٹرویو: نوائے وقت، سنڈے میگزین،۱۲/جون، ۲۰۱۱ء)۔سرسید احمد خاں کی جملہ تصانیف اردو میں تھیں۔انھوں نے سائنٹفک سوسائٹی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کا مقصد ہی سائنس اور ٹیکنالوجی و دیگر جدید علوم پر مشتمل غیرملکی زبانوں میں کتب کا اردو میں ترجمہ کرنا تھا۔ دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ کالج کے طلبہ کا تبادلہ ہوتا تھا۔علی گڑھ سے ڈگری حاصل کرنے والا دیوبند آکر تعلیم حاصل کرتا اور دیوبند کے فارغ التحصیل کو اس وقت تک سند نہیں ملتی تھی جب تک وہ علی گڑھ جاکر تعلیم حاصل نہ کرتا۔ یہ سلسلہ ۱۹۰۴ء تک جاری رہا۔ دیوبند سے علی گڑھ یونیورسٹی میں پڑھنے والے طلبہ کو پندرہ روپے ماہوار وظیفہ دیا جاتا تھا۔ بدقسمتی سے بعد میں یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا (کالم: ہماری تاریخ کے دردناک اوراق؛ اوریا مقبول جان، روزنامہ ایکسپریس، لاہور، ۱۷/مارچ،۲۰۱۲ء)۔محبّ وطن عناصر آج بھی سرسید احمد خان کے لائحہ عمل کے عین مطابق مطالبہ کرتے ہیں کہ انگریزی ضرور پڑھائی جائے لیکن اس میں موجود علوم کا اپنی قومی زبان میں ترجمہ کرکے دور جدید کے تقاضوں کو پورا کیا جائے اور سرسید کے بارے میں مسخ شدہ تصور کی آڑ میں پوری قوم کو انگریزی کی سولی پر چڑھانے کا سلسلہ بند کیا جائے۔ یہ امر موجودہ پنجاب حکومت کے لیے باعث شرم ہے کہ وہ ترقی کے نام پر پاکستانی طلبہ سے اپنی قومی زبان میں تعلیم کا حق چھین رہی ہے جو نہ صرف آئین پاکستان (دفعہ ۲۵۱) بلکہ اقوام متحدہ کے عالمی انسانی حقوق کے منشور (دفعہ ۱۹) کی بھی صریحاً خلاف ورزی ہے۔

قائداعظم اور اُردو:

ہمارے سیاسی رہنما اٹھتے بیٹھتے ہر وقت قائداعظم کے نام کی مالا جپتے رہتے ہیں۔ان کے یوم پیدائش اور یوم وفات پر بیان داغنا ضروری خیال کرتے ہیں اور خاص کر مسلم لیگ تو ان کی اصلی وارث کی رٹ لگاتے لگاتے کئی حصوں میں بٹ بھی جاتی ہے تو ہر دھڑا قائد کا حقیقی وارث کہلانے پر اصرار کرتا ہے۔اب دیکھیے کہ تحریک پاکستان کے دوران اور اس کے بعد قائداعظمؒ کا اُردو کے نفاذ کے بارے میں کیا موقف تھا اور ان سے قبل متحدہ ہندوستان کے لیگی رہنما اردو کے لیے کس قدر جدوجہد کرتے رہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اردو ہندی تنازع ۱۸۶۲ء سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ لہٰذا نظریہ پاکستان نے بلاشبہ اسی کی کوکھ سے جنم لیا اور یہی وہ زبان ہے جس نے پاکستان کی عمارت کی پہلی اینٹ کا کام دیا کیونکہ ۱۹۰۶ء میں مسلم رہنماؤں نے وائسرائے ہند سے اردو کے تحفظ کا مطالبہ کیا تھا۔ ۱۹۳۸ء میں قائداعظم محمد علی جناحؒ نے پنڈت جواہر لال نہرو کے ایک استفسار پر جواب دیا: ''مسلمانوں کا ایک اور مطالبہ زبان اور رسم الخط کے بارے میں ہے۔ اردو ہماری عملاً قومی زبان ہے۔ہم آئینی ضمانت چاہتے ہیں کہ اردو کے دامن کو کسی طریقہ سے متاثر نہ کیا جائے اور نہ تباہ۔'' کاش! روح قائد کو اس کے نام لیوا بے پناہ اذیت کا شکار نہ کرتے کہ جس اردو کو سرفہرست رکھ کر وہ ایک ہندو لیڈر سے دوٹوک بات کررہے تھے، اس کے جانشین اسے اپنے ایوانوں کے بعد

سکولوں تک سے بھی باہر نکال رہے ہیں!

جب کانگریس نے ''ہندی ہندوستانی'' کی مہم چلائی تو قائداعظمؒ نے اس چال کا توڑ کرتے ہوئے ۱۹۳۵ء میں واضح طور پر اعلان کیا: ''ہمیں معلوم ہے کہ اس سکیم کا اصل مقصد اردو کا گلا دبانا ہے۔ یہاں پر مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فتویٰ کا ذکر کردینا بھی خالی از دلچسپی نہیں جس کے تحت آپؒ نے فرمایا: ''اس وقت اردو کی حفاظت دین کی حفاظت ہے، اس کی حفاظت کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ لہٰذا قدرت کے باوجود اس سلسلے میں غفلت اور سستی کا مظاہرہ کرنا موجبِ گناہ ہوگا جس کا آخرت میں مواخذہ کیا جائے گا۔'' اسی انداز کا ایک فتوی، ایک موقع پر، احمد رضا خاں بریلویؒ نے بھی جاری کیا تھا۔ قائدِ اعظمؒ نے ایک بار علی گڑھ یونیورسٹی میں تقریر کے دوران ۱۹۴۱ء میں کانگریس کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے اور ملّت اسلامیہ ہند کے عزم صمیم کا یوں اظہار کیا ''مجھے پاکستان میں اسلامی تاریخ کی روشنی میں اور اپنی ثقافت نیز روایات کے تحت اور اپنی اردو زبان کو برقرار رکھتے ہوئے زندگی گزارنے دو۔'' اسی طرح ایک بار جب سر فیروز خان نون (سابق وزیر اعظم پاکستان) آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ ۱۹۴۶ء میں بزبان انگریزی تقریر کرنے لگے تو آپؒ نے انہیں ٹوکتے ہوئے فیصلہ دیا: ''پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہوگی۔'' کیا اس حقیقت سے کوئی شخص انکار کرسکتا ہے کہ پوری تحریکِ پاکستان کے دوران ہر قابلِ ذکر مقام پر قائداعظمؒ نے اپنی نامشقی کے باوجود اردو میں ہی تقاریر کیں بلکہ ایک بار کہیں تقریر کے بعد اپنے ہمراہی قائدین کی محفل میں فرمانے لگے کہ ''میری اردو تو ٹانگے والوں جیسی ہے۔'' ذرا غور کیجیے کہ اس نگہ بلند اور جاں پرسوز رہنما کی بصیرت زیادہ تھی یا آج کے بونے لیڈروں کی، جو نام نہاد ترقی کے بے بنیاد اور خالی خولی نعروں کی بنا پر قائد کے واضح فرامین کی بڑی ہٹ دھرمی کے ساتھ عملی مخالفت کررہے ہیں۔

۱۹۴۸ء میں جب بنگلہ دیش کے ''بابائے قوم'' اور اُس وقت کے طالب علم رہنما شیخ مجیب الرحمٰن نے کچھ دیگر علیحدگی پسند عناصر کے ساتھ بنگالی زبان کے حق میں شورش برپا کی تو قائداعظمؒ مریض اور نحیف و نزار تھے۔ دوسری طرف حکومتِ پاکستان کے پاس صرف ڈکوٹہ طیارہ تھا جو کلکتہ ائیرپورٹ سے تیل بھروائے بغیر ڈھاکہ نہیں جاسکتا تھا لیکن آپ کلکتہ ائیرپورٹ اُترنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کی اردو بلکہ پاکستان کی وساطت سے اسلام سے کس قدر گہری وابستگی بلکہ شیفتگی تھی کہ جان جوکھوں میں ڈال کر ڈھاکہ جانے کا قصد کیا۔ جہاز کی مشین میں گنجائش سے زیادہ تیل ڈلوایا اور عازمِ سفر ہوگئے۔ ڈھاکہ پہنچنے پر دوٹوک الفاظ میں اعلان فرمایا کہ ''پاکستان کی قومی اور سرکاری زبان اردو ہی ہوگی۔''

حال ہی میں ایک نام نہاد دانشور نے یہ ہرزہ سرائی کی ہے کہ قائداعظم نے آمرانہ انداز سے اکثریتی صوبہ مشرقی بنگال کا خیال نہ رکھتے ہوئے اردو کو پاکستان کی قومی زبان قرار دے دیا جس کے نتیجہ میں علیحدگی کی تحریک کی بنیاد پڑ

گئی اور ملک دولخت ہو گیا۔حالانکہ حقائق اس کے بالکل برعکس ہیں۔متحدہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں ایک ہندو رکن دھریندر ناتھ نے جب بنگلہ کو پاکستان کی قومی زبان قرار دینے کی تحریک پیش کی تو خود ممتاز بنگالی ارکان اسمبلی (خواجہ ناظم الدین، مولوی تمیز الدین خان، شیر بنگال اے کے فضل الحق، حسین شہید سہروردی و دیگر) نے اس کی مخالفت کی اور اسمبلی نے اس تحریک کو مسترد کرتے ہوئے اردو کو ہی قومی زبان قرار دیا۔ دراصل قائداعظم نے بحیثیت گورنر جنرل دستور ساز اسمبلی کے فیصلہ کی روشنی میں ہی متذکرہ بالا اعلان کیا تھا۔ (کالم: ’’قائداعظم پر نجم سیٹھی کے اعتراضات اور ان کا جواب‘‘ از منیر احمد منیر، قسط نمبر ۹،۱۰،۱۱، روزنامہ پاکستان برائے ۱۱،۱۲،۱۳ مارچ ۲۰۱۲ء)

قومی غیرت اور تشخّص:

پاکستانی یا اسلامی تناظر تو ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے ہی لیکن ہمارے کچھ ترقی پسند دانشوروں، لاعلم سیاسی رہنماؤں اور نام نہاد ماہرین تعلیم کی تشفّی کے لیے عالمی سطح پر معاملات کو زیر غور لانا زیادہ قرین مصلحت ہوگا۔ ایک دفعہ آئر لینڈ کے ایک پادری، جو ایک کالج کے پرنسپل بھی تھے، نے بابائے اردو مولوی عبدالحق (مرحوم) سے کہا: ’’اپنی زبان کی بہت تندہی سے حفاظت کرنا کیونکہ فاتح قوم سب سے پہلے مفتوح قوم کی زبان کو مٹاتی ہے۔ کسی قوم کی زندگی اور روح اس کی زبان ہوتی ہے۔ ہمیں اس امر کا تجربہ ہے کہ ہمارے ملک میں بھی یہی کیا گیا۔‘‘ چواین لائی جب پہلی بار پاکستان آئے تو پریس کانفرنس کرتے وقت ترجمان نے ان کے کسی جملے کا غلط ترجمہ کر دیا۔ فوراً انگریزی میں اسے کہا کہ اس کا مطلب یوں نہیں یوں ہے اور پھر کافی دیر تک خوبصورت انگریزی بولنے کے بعد چینی میں گفتگو شروع کر دی۔ چین کا ٹیکنالوجی کے لحاظ سے یہ حال تھا کہ وہ کئی سال تک لاہور کی بیکو فیکٹری سے برقی کھڈیاں اور دیگر ساز و سامان منگواتے رہے۔ اس خواہش کا اظہار بھی انہوں نے چینی زبان میں تحریر کے ذریعے کیا جس کا بعد میں پاکستانی حکام نے انگریزی میں ترجمہ کروایا (انٹرویو: احسان اللہ وقاص ایم پی اے، قومی ڈائجسٹ، اکتوبر ۲۰۱۰ء)۔ جب ۱۹۴۹ء میں چین میں انقلاب آیا تو اس وقت وہاں انگریزی رائج تھی اور لاتعداد مشن سکول اور کالج موجود تھے۔ لیکن آزاد ہوتے ہی ماؤزے تنگ نے اعلان کیا: ’’چینی بچے، چینی زبان میں چینی اساتذہ سے ہی جملہ علوم وفنون کی تعلیم پائیں گے۔‘‘ چینی اساتذہ پر زور دینے کا پس منظر یہ ہے کہ ان کے بعض ساتھیوں نے تجویز دی تھی کہ ہم ابھی تدریسی لحاظ سے پسماندہ ہیں لہٰذا مشنری اداروں کے اساتذہ جو چینی اور انگریزی دونوں جانتے ہیں، کو بطور اساتذہ بھرتی کر لیتے ہیں۔ جس پر اس تجویز کو قبول کرنا گوارا نہ کیا گیا۔

فرانس میں جو شخص انگریزی کا کوئی لفظ جملے میں بولتا یا لکھتا ہے جس کا فرانسیسی متبادل موجود ہو تو اسے ناپسند کیا جاتا ہے۔ اسرائیل ۱۲۰ اقوام کے افراد پر مشتمل ہے اور یہ وہ قوم ہے جو اڑھائی ہزار سال تک پوری دنیا میں دھکے

کھاتی رہی۔ان حالات میں ان کی قومی زبان عبرانی کا کیا حال ہو چکا ہوگا؟لیکن ۱۹۴۸ء میں جونہی اسرائیل وجود میں آیا ہر درجے پر عبرانی کو رائج کر دیا گیا۔ایک موقع ایسا بھی آیا کہ بچوں کو موسیقی اور کھیلوں کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ انگریزی میں شروع کیا گیا تو اسرائیلی عبرانی اکیڈمی نے اس کا فوراً نوٹس لیا اور یہاں تک کہا کہ ''یہ منصوبہ کفر سے کم نہیں''۔اس وقت قارئین کو اردو کے حق میں مولانا تھانویؒ کے متذکرہ فتویٰ کے پیچھے ''مولویانہ انداز'' کی بجائے دلیل کی قوت نظر آ رہی ہوگی۔کیونکہ غیروں کی زبان کسی قوم کے روحانی، اخلاقی اور تہذیبی نظاموں کی تباہی کرتے ہوئے اس کے جسمانی تار و پود بکھیرنے کا بھی باعث بنتی ہے۔بلاشبہ ہر قوم کی اپنی ثقافت ہوتی ہے جس کی اوّلین پہچان اس کی زبان ہوتی ہے۔زندہ قومیں اپنی مردہ زبانوں کو دوبارہ زندگی دے کر جاوداں کر لیتی ہیں۔یونانی زبان ایک مردہ زبان تھی جس کی جگہ مکمل طور پر لاطینی لے چکی تھی لیکن اہلِ یونان نے اسے حیاتِ نو بخشی اور خود بھی زندہ ہوگئے۔اسی طرح بھارت میں سنسکرت صرف ہندو دھرم تک محدود ہو چکی تھی لیکن جب ہندوؤں نے آزادی حاصل کی تو فوراً اس کی تعلیم لازمی قرار دے دی جبکہ دوسری طرف پاکستانی قوم کے دورِ حاضر تک کے حکمران اپنی زندہ و پائندہ زبان کو ہر آن چَر کے ہی لگاتے رہے ہیں اور شاید اب آخری وار کی تیاری ہے جس کا آغاز ہو چکا لیکن ان شاء اللہ یہ منہ کی کھائیں گے۔

۱۹۴۵ء میں ہزیمت خوردہ شہنشاہ ہیرو ہیٹو اور امریکن جنرل میک آرتھر آمنے سامنے بیٹھے امریکہ۔جاپان تعلقاتِ کار کا فیصلہ کر رہے تھے تو شہنشاہ نے صرف ایک شرط پیش کی۔''میرے نظامِ تعلیم اور جاپانی زبان کو نہ چھیڑنا۔''تباہی کے باوجود اسی تشخّص کے بل پر جاپان ابھرا اور چند سالوں میں پوری دنیا کا ''معاشی عِفریت'' بن گیا۔احقر نے جاپان میں قیام کے دوران خود ملاحظہ کیا کہ پورے ٹوکیو میں دو تجارتی مراکز کے سوا کسی پر جاپانی کے ساتھ انگریزی میں سائن بورڈ نہ تھے جبکہ ہمارے ہاں ڈرائیوروں کی اکثریت ان پڑھ ہے اور شاہراہوں پر انگریزی میں ٹریفک اشارات لگے نظر آتے ہیں۔لگتا ہے ہمارے اربابِ اقتدار نے بھی یہ سارا اہتمام اسی لیے کر رکھا ہے کہ شاید کوئی گورا گزرے تو اُسے لسانی مشقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

جب روسی ترکستان (موجودہ کرغیزستان، تاجکستان، قازقستان وغیرہ) پر کمیونسٹوں نے قبضہ کیا تو ان کی زبان ترکی و فارسی تھی جسے بدل کر فوراً روسی کر دیا اور لاطینی رسم الخط کو اپنانے کا حکم دیا۔ادھر جب مصطفیٰ کمال پاشا نے نام نہاد ترقی کا سفر شروع کیا تو ترکی میں عربی رسم الخط کو بدل کر لاطینی کر دیا۔اس پر روسیوں نے فوری طور پر (متذکرہ علاقوں میں) لاطینی رسم الخط کو ترک کرنے کے احکامات جاری کر کے روسی رسم الخط کا اجرا کر دیا یعنی روسیوں نے رسم الخط تک کا مشترک ہونا گوارا نہ کیا تاکہ ترکی کے ترکوں اور ان کے غلام ترکوں کے درمیان یہ کمزور ترین واسطہ بھی باقی نہ رہے۔اسی طرح سابق بلغاریہ پر روسی قبضہ کے وقت وہاں پندرہ لاکھ کے قریب مسلمان تھے۔کمیونسٹوں نے آتے

ہی ان کی زبان پر مکمل پابندی عائد کردی۔ یہاں تک کہ بازاروں میں بول چال بھی جرم قرار دے دیا گیا۔ اگر کوئی شخص گھر سے باہر ایک لفظ بھی بولتا اور پکڑا جاتا تو اسے باقاعدہ سزا دی جاتی تھی۔ گزشتہ صدی میں فرانس کے مرد آہن جنرل ڈیگال کئی سالوں تک برطانیہ میں مقیم رہے لیکن تمام ملکی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں ہمیشہ فرانسیسی میں تقریر کیا کرتے تھے۔ یہ مقام گہرے غور وفکر کا متقاضی اور ایک المیہ سے کم نہیں کہ پورا یورپ گھوم جایئے کہیں بھی انگریزی کو اس قدر پذیرائی حاصل نہیں جو پاکستان میں ہے اور آئے روز اس میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

ٹیکنالوجی کا جھوٹا بہانہ:

ایک بہت بڑی دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ انگریزی میڈیم ترقی کا زینہ ہے، ٹیکنالوجی کے حصول کا ذریعہ ہے اور پسماندگی دور کرنے کا امرت دھارا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مغرب میں فرانس اور جرمنی بلکہ تقریباً پورا یورپ پسماندہ ہے؟ اگر وہ اپنی زبانوں میں تدریس وتحقیق کررہے ہیں تو کیا ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں؟ اسی طرح مشرق میں جاپان، چین اور کوریا کی ترقی کیا انگریزی کے مرہون منت ہے؟ کوریا ساٹھ کی دہائی میں پاکستان کے پانچ سالہ منصوبوں سے استفادہ کے لیے ان کی نقول لے کر جایا کرتا تھا۔ کیا اس نے ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھنے کے لیے انگریزی اور انگریزی ذریعہ تعلیم کا امرت دھارا استعمال کیا ہے؟ دوسرے پہلو سے دیکھیں تو روس سے ہم نے سٹیل مل کی ٹیکنالوجی لی، کوریا کے میزائل سسٹم سے استفادہ کیا، چین نے ٹیکسلا میں سول اور فوجی اہمیت کے کئی کارخانے لگا کر دیے اور اب ائیرفورس کے لیے ''تھنڈر'' جہاز کی تیاری میں تعاون کر رہا ہے۔ مزید برآں فرانس نے کامرہ کمپلیکس میں ہوائی جہازوں اور دیگر نہایت اہم شعبوں میں تعاون کیا۔ سوچئے تو سہی! کیا یہ ساری ٹیکنالوجی بزبان انگریزی آ رہی ہے؟ اور کیا اس کی ترقی ونشوونما ان ممالک میں انگریزی پڑھ پڑھ کر بلکہ ''رٹ رٹ'' کر پایہ تکمیل کو پہنچی ہے؟ قرآن مجید میں دلائل کے بعد اکثر بار یہ فرمایا جاتا ہے کہ ''کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

اُردو پر حملے:

اس مظلوم (زبان اردو) پر حملوں کی کچھ جھلکیاں ملاحظہ فرمایئے اور اس دوران اس امر پر بھی توجہ مرکوز رکھیے کہ یہ حملے کب سے جاری ہیں، کن لوگوں نے تقسیم سے قبل اس پر وار کیے اور اب کون لوگ اس بیچاری کے درپے ہیں؟ وہ عناصر کوئی بھی ہوں لیکن ایک قدر ان سب میں بلاشبہ مشترک ہے۔ وہ متذکرہ بالا جملہ حقائق و دلائل سے منہ موڑے اپنی ''طاقت'' کے بل پر اسے کچلنے پر کمر بستہ ہیں۔

۱۸۴۹ء میں سکھ دور کے اختتام پر اردو پنجاب کے دفاتر اور عدالتوں میں رائج کی گئی۔ اس پر پہلا حملہ ۱۸۶۲ء میں

ہوا۔ اُردو کے خلاف ایک زور دار مہم چلائی گئی۔ چنانچہ سر رابرٹ منٹگمری، گورنر پنجاب نے تمام کمشنروں اور ڈپٹی کمشنروں کا اجلاس طلب کیا۔ اکثر شرکا نے اردو کے حق میں تقاریر کیں اور یہ حملہ ناکام ہوگیا، نتیجتاً اردو ہی کا رِسرکاری زبان رہی۔ اس سخت جان زبان پر دوسرا حملہ ۱۸۸۲ء میں ہوا۔ لہٰذا ''ہنٹر تعلیمی کمیشن'' قائم کیا گیا۔ ایک سوالنامہ جاری ہوا اور اردو کی پنجاب سے بے دخلی کے اشارے ملنے لگے۔ اگرچہ عوامی سطح پر اس حوالے سے سخت بے چینی پائی جاتی تھی لیکن عوام تو ہر دور میں مجبور ہی رہے ہیں۔ خوش قسمتی سے سر سیّد احمد خان اس کمشن کے ممبر تھے جنہوں نے اپنی ذہانت اور اُردو سے بے پناہ محبت کے بل پر اس حملے کو بڑے منطقی انداز سے ناکام بنا دیا۔ تیسرا حملہ ۱۹۰۸ء میں ہوا جب پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر بی سی چیٹر جی نے جلسہ تقسیمِ اسناد میں صدارتی خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''پنجاب میں اردو کی جگہ پنجابی رائج کی جائے۔'' مسلمانانِ پنجاب کا اس پر شدید ردِعمل ہوا۔ چنانچہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس بلایا گیا جس میں علامہ اقبالؒ، سر شیخ عبدالقادر، سر محمد شفیع، مولانا شاہ سلیمان پھلواری، سر علی امام اور مولوی محبوب عالم، ایڈیٹر 'پیسہ اخبار' کے علاوہ دیگر مسلم زعما شریک ہوئے۔ اردو کی حمایت میں ایک نہایت زوردار قرارداد منظور کی گئی اور ساتھ ہی چیٹر جی کی تجویز سے شدید اختلاف بھی ریکارڈ کروایا گیا بلکہ یہاں تک قرار دیا گیا کہ یہ تجویز صوبہ کے لیے نہایت مُضر ہے۔ اس طرح تقسیم ہند سے پہلے اردو پر یہ تیسرا اور زوردار حملہ بھی ناکام ہوا اور ۱۹۴۷ء تک اردو کی حیثیت برقرار رہی۔ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ بے کس و لاچار اردو پر پاکستان میں اپنوں کے ہاتھوں کتنے پے در پے حملے کیے گئے تو یہ تحریر کسی لحاظ سے بھی ان کے تذکرہ کی متحمل نہیں۔ صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ پاکستان کے ہر دستور میں اسے قومی زبان قرار دیا گیا لیکن اس کے نفاذ کے لیے وقت مانگا گیا۔ کبھی دس سال اور کبھی پندرہ۔ اس کے باوجود عملاً اسے پسپائیوں کے سوا کچھ نہ ملا۔ کبھی کوئی دور ایسا آیا بھی کہ اس کے نفاذ کا تو نہیں بلکہ اس کی حمایت کا غلغلہ بلند ہوا، چند ادارے قائم کیے گئے اور بعض اقدامات کا اعلان بھی کیا گیا لیکن یہ سب کچھ سیکنڈے نیویا ممالک کے سپیدہ ءسحر سے زیادہ اہمیت کا حامل نہیں تھا کہ جیسے وہ طلوعِ آفتاب کے آثار پیدا کر کے غائب ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ان کا اقدامات مقدر بھی یہی ٹھہرا۔ درحقیقت اردو کی علامہ اقبال اور قائداعظم کے پاکستان میں کہانی اس کی اپنی زبانی سنیں تو یہ زبانِ حال سے کہتی دکھائی دیتی ہے۔

جن چراغوں سے شبستانِ حکومت رشک طور
ان چراغوں میں نہیں ہے روشنی میرے لیے

نقصانِ عظیم:

موجودہ حالات میں تمام طبقات کے اہلِ شعور اور محبِّ وطن حضرات اور تنظیموں یا جماعتوں کو اس بات پر گہرے

غور وفکر کے تحت سوچنا چاہیے کہ برسر اقتدار طبقہ انگریزی ذریعہ تعلیم یا میڈیم کے جس بخار میں مبتلا ہے اور آہستہ آہستہ عوام الناس کو بھی اس کا مریض بنا دیا گیا ہے، کا حقیقی نقصان بلکہ نا قابل تلافی نقصان کیا ہوگا؟ اس کا سب سے بڑا نقصان لارڈ میکالے کی توقع کے عین مطابق ذہنیتوں کی تبدیلی ہوگا۔ اس غرض کے لیے مندرجہ بالا حقائق کے ساتھ ساتھ ذاتی مشاہدے میں آنے والی تین مثالیں امر واقعہ کو بالکل واضح کر دیں گی۔

۱۔ راقم کے ایک دوست ائیر فورس میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔ ان کے صاحبزادے سے بوقت ملاقات دریافت کیا کہ بیٹے کبھی اردو کتب کا مطالعہ بھی کیا ہے؟ جواب نفی میں تھا۔ سبب پوچھا تو کہنے لگے۔ ''انکل اردو میں کوئی سٹینڈرڈ کی کتاب موجود ہی نہیں ہے۔'' الامان والحفیظ! اُردو کی عظمت کے ترانے سارا زمانہ گائے (متذکرہ بالا تمام امثال کو ذہن میں رکھیے۔) اور صاحبزادے کی نظر میں اردو میں کام کی کوئی کتاب ہی نہیں۔ واضح رہے کہ اس نوجوان کا ایک نہایت دیندار اور نیک خاندان سے تعلق ہے کہ جن کے دادا نے ضلعدار ہوتے ہوئے بھی درویشانہ زندگی گزاری۔

۲۔ ایک صاحبہ لبرٹی مارکیٹ لاہور میں ایک دوست کی دکان پر تشریف لائیں۔ باتوں باتوں میں فرمانے لگیں (نہایت سنجیدگی کے ساتھ) کہ اسلام پر عمل ہوتا دیکھنا ہے تو امریکہ کی مثال سامنے رکھیں۔ شاید موصوفہ کسی ایسے سیارے پر رہتی رہتی لاہور میں اتری ہوں گی جہاں امریکہ کے عراق اور افغانستان پر بلکہ پوری دنیا میں مظالم کی خبریں نہیں پہنچتی ہوں گی۔

۳۔ ایک دفعہ جب قیامِ مسقط کے دوران (جہاں راقم یونیورسٹی میں بطور ''ریسرچ ایڈوائزر'' کام کر رہا تھا) ایک دوست کو' سعودی عرب میں بہتر ملازمت کے سبب روانگی کے وقت' الوداع کہنے ائیر پورٹ کی طرف جا رہے تھے تو ان کے انگریزی میڈیم کے پروردہ صاحبزادہ سے پوچھا۔ ''بیٹا! سعودی عرب جانا کیسا لگ رہا ہے؟'' جواب ملا۔ ''انکل میں خوش نہیں ہوں، لیکن چلو پاپا نے فیصلہ کر ہی لیا ہے تو ٹھیک ہے''۔ باقی بات سننے سے پہلے یہ امر ذہن میں رہے کہ ان کے والدِ گرامی اور دادا جان کی نیک نفسی اور ارضِ پاک سے محبت بے مثال تھی۔ باپ کا دل سرزمین حجاز میں جانے پر بلیوں اچھل رہا تھا اور صاحبزادہ صاحب اداس۔ اداسی کی وجہ پوچھنے پر رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ صاحبزادہ کہنے لگا: ''وہاں دہشت کی فضا ہے، گھٹن ہے اور لوگوں پر ظلم کیا جاتا ہے''۔ اس کی مراد سعودی عرب میں نافذ اسلامی نظام تعزیرات سے تھی۔ اس موقعہ پر علامہ اقبالؒ کے کچھ اشعار زیر غور لائے جائیں تو واقعتاً پتا چلتا ہے کہ ''میڈیم کا بخار'' کس طرح ملّی موت پر منتج ہوتا اور کیا کیا گل کھلاتا ہے۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لاالہ الا اللہ!

یا پھر

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم تو سمجھے تھے کہ لائے کی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

اور پھر یہ دیکھیے کہ

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہوجائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

یہ کہا جاسکتا ہے کہ آئندہ نسلیں انگریزی ذریعہ تعلیم کے تحت پڑھ لکھ کر اپنے ملک اور دین اسلام سے کس طرح کٹ جائیں گی تو اس ضمن میں درج ذیل عبارت پر نہایت سنجیدگی سے غور فرما کر فیصلہ خود کرلیجیے۔

ایک بار بابائے اُردو مولوی عبدالحق مرحوم نے فرمایا تھا: ''زبان کسی قوم کی جان ہوتی ہے اس کا گلا گھونٹا گویا قوم کا گلا گھونٹنا ہوتا ہے۔'' ان کے اس قول کی صداقت کے لیے ذیل میں لارڈ میکالے کی بات سنیں تو خوب وضاحت ہوجاتی ہے۔ جب اس نے ۱۸۳۵ء میں فارسی کو بے دخل کر کے اخلاقی، روحانی اور لسانی لحاظ سے مسلمانوں کے قلوب واذہان پر قبضہ کا پروگرام بنایا تو کہا: ''ہم ایک ایسا طبقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں جو رنگ وخون کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہوگا مگر مزاج، طبیعت، رائے، اخلاق و عادات اور فہم وفراست کے لحاظ سے انگریز''۔ اب اس کے بہنوئی چارلس تریولین کی بات پر غور کیجیے۔ وہ فرماتے ہیں: ''اگر مسلمان قدیم علوم کی تعلیم حاصل کرتے رہے تو وہ ہم سے خوش نہیں رہ سکتے۔ وہ دوبارہ بالادستی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہمیں غاصب اور دشمن کی بجائے دوست سمجھے گا۔ یہ لوگ ہندوستانی کم اور انگریز زیادہ ہوں گے۔ وہ ہم سے نفرت کرنے کی بجائے ہمیں اپنا محسن سمجھیں گے اور ہماری مشابہت کو اپنی معراج تصور کریں گے۔ گو محمڈن ازم، (اسلام) سخت مادے کا بنا ہوا ہے۔ تاہم وہ نوجوان جس نے انگریزی تعلیم حاصل کی ہو، اپنے آبائی طریقے پر شریعت کی تعلیم حاصل کرنے والے سے بالکل مختلف بن جاتا ہے۔'' یہاں بصد افسوس کہنا پڑتا ہے کہ لارڈ میکالے اور اس کے ساتھیوں نے مسلمان نسلوں کو نظریاتی طور پر اغوا کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس پر اسلام کے نام لیوا اور اکثر دینداروں کے حمایت یافتہ رہنما بھی بڑے زور وشور سے عمل پیرا ہیں۔

اردو کی آئینی حیثیت:

ہمارے ملک میں آج تک برسرِاقتدار رہنے والے سیاستدان خواہ موجودہ ہوں یا گزشتہ ادوار کے، آئین اور جمہوریت کا بہت تذکرہ کرتے ہیں۔قطعِ نظر اس کے کہ انہوں نے بذاتِ خود آئین شکن آمروں کی گود میں پرورش پائی ہو یا ان کے سہارے سیاست میں آکر ملک کے سیاہ وسفید کے مالک بن بیٹھے ہوں۔اس تناظر میں جائزہ لیں تو باقی دساتیر سے قطع نظر ۱۹۷۳ء کے آئین کو ہی لیجیے۔اس کے مطابق ۱۴/اگست ۱۹۸۸ء تک پاکستان میں نفاذ اردو کا کام ہرلحاظ سے مکمل ہوجانا چاہیے تھا لیکن ہر آنے والا دن قومی زبان کو پیچھے دھکیلنے کی خبر لے کر آتا ہے۔ہم اب آئین کی متعلقہ دفعات کا جائزہ لیتے ہیں۔

دفعہ ۲۵۱ کی ذیلی شق (۱) کے مطابق پاکستان کی قومی زبان اردو ہے اور دستور کے یوم نفاذ (۱۴ اگست ۱۹۷۳ء) سے پندرہ برس کے اندر اندر اس کو سرکاری و دیگر اغراض کے لیے استعمال کرنے کے انتظامات کیے جانے چاہییں تھے۔ ذیلی شق (۲) کے تحت انگریزی زبان اس وقت تک سرکاری امور کے لیے استعمال کی جا سکے گی (۱۴/اگست ۱۹۸۸ء)، جب تک کہ اس کے اردو سے تبدیل کرنے کے انتظامات نہ ہو جائیں۔جب کہ ذیلی شق (۳) قرار دیتی ہے کہ قومی زبان کی حیثیت کو متاثر کیے بغیر، کوئی صوبائی اسمبلی قانون سازی کے ذریعے، اردو کے علاوہ کسی صوبائی زبان کی تعلیم، ترقی اور اس کے استعمال کے اقدامات تجویز کر سکے گی۔دفعہ (۱۔۲۵۱) کے مندرجات تاکیدی نوعیت کے ہیں جن پر عمل درآمد کرنا حکومت پاکستان کا فرض منصبی ہے۔اس بارے میں غفلت ملک وقوم کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی ہے نیز وفاقی اور صوبائی حکومتیں آئین پاکستان کی خلاف ورزی کی مرتکب ہو رہی ہیں کیونکہ تمام وسائل و ذرائع میسر ہونے کے باوجود ۱۴/اگست ۱۹۸۸ء تک اردو کا مکمل نفاذ عمل میں نہیں آیا۔ دفعہ (۳۔۲۵۱) نے علاقائی زبانوں کے ترقی و ترویج کے معاملہ کو بھی خوش اسلوبی سے حل کر دیا ہے۔یہ امر پیش نظر رہے کہ انگریزی تو کبھی بھی ہماری علاقائی زبان نہیں رہی لہٰذا دستوری وقومی سوچ کے تحت قومی زبان اور علاقائی زبانیں ایک ساتھ فروغ پاسکتی ہیں۔چنانچہ ان کا آپس میں کوئی تنازع نہیں۔اس موقعہ پر یہ بات نہایت قابل غور ہے کہ وفاق پاکستان کی تمام اکائیوں کے قوم پرستوں نے انگریزی کے تسلط کو ٹھنڈے پیٹوں قبول کیا ہوا ہے۔آئین کی دفعہ ۲۸، شہریوں کے کسی طبقہ کو، جس کی ایک الگ زبان، رسم الخط یا ثقافت ہوں، انہیں برقرار رکھنے اور فروغ دینے کی غرض سے ادارے قائم کرنے تک کا حق تک دیتی ہے۔چونکہ اس شق میں زبان کا تحفظ بھی فراہم کیا گیا ہے لہذا اردو زبان کی ترقی و ترویج ہر پاکستانی کا بنیادی حق ہے۔اردو کو قومی زبان کا درجہ اسی صورت مل سکتا ہے کہ دور غلامی کی یادگار زبان انگریزی کا استعمال بند کیا جائے اور ہر شعبہ زندگی میں اردو کو رائج کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

مقام افسوس ہے کہ مندرجہ بالا تمام حقائق کو پس پشت ڈالتے ہوئے صوبہ پنجاب میں جبراً انگریزی میڈیم نافذ کر دیا گیا۔صورتحال یہ ہے کہ اب اردو میڈیم سکول نہیں رہیں گے اور امتحانات بھی انگریزی میں لیے جائیں گے۔جبکہ عوام اردو تعلیمی اداروں کے قیام کے خواہاں ہیں۔مزید یہ کہ انگریزی زبان کو مسلط کرنے سے مغربی تہذیب نے پاکستانی ثقافت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔دفعہ ۱۹ (الف) کے تحت عوام کے''جاننے کے حق'' کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے جبکہ ہمارے ملک میں دفاتر کی کارروائی اور کارسرکار انگریزی میں ہونے کے سبب انھیں اس حق سے محروم رکھا جا رہا ہے۔جاننے کے اس حق کو اقوام متحدہ کے عالمی منشور برائے انسانی حقوق کی شق ۱۹ میں بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

آئین پاکستان کی دفعہ۲ کی رو سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے لہٰذا اسے ہر شعبہ زندگی میں نافذ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔دین اسلام کے متعلق اکثر و بیشتر لٹریچر اردو زبان میں ہے۔اس بنا پر پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے اردو زبان میں اسلامی تعلیمات سے آگاہی بہت زیادہ آسان ہے۔چونکہ آئین کی دفعہ ۲۸ کے تحت زبان اور رسم الخط کا تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔اس سلسلہ میں بھی ہر ممکن اقدامات کیے جانے چاہئیں۔ٹیلیویژن چینلوں پر اردو کو رومن رسم الخط میں لکھا جا رہا ہے اور اسی طرح تشہیری سائن بورڈ بھی اسی انداز میں لکھے جا رہے ہیں۔ذمہ دار اداروں کو اس سلسلہ میں اپنا آئینی فرض پورا کرنا چاہیے تھا۔ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ گاندھی جی بھی یہی کہتے تھے کہ اردو زبان کا رسم الخط بدل دیا جائے تو میں اسے ہندوستان کی زبان بنا دوں گا۔

موجودہ دور میں قومیت پرست اور متعصب عناصر صوبائی یا علاقائی زبانوں کا معاملہ سامنے لا رہے ہیں لیکن اسے ایک بدیشی زبان کو رائج کرنے کی دلیل قطعاً قرار نہیں دیا جاسکتا۔ان کی ترقی کے اقدامات سے مفر نہیں لیکن ان سب پر انگریزی کو مسلط کرنا کونسی جمہوری روش ہے؟ اگرچہ یہ مسئلہ قدرے پیچیدہ ہے اور بدقسمتی سے اردو سندھی، کشمکش بھی جنم لے چکی ہے لیکن یہاں ایک بزرگ کے قول سے خاصی رہنمائی ملتی ہے۔وہ فرمایا کرتے تھے (مذہبی تناظر میں) کہ''مختلف فرقوں کے پیروکار ایک دوسرے کی فقہ کے رائج ہونے کے راستے میں تو مزاحم ہیں لیکن انگریز کی فقہ بلکہ دین (نظامِ حیات) کو سب نے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کیا ہوا ہے۔''

حرف آخر:

حکومت کی طرف سے ایک مفروضہ یہ بھی سامنے لایا جاتا ہے کہ ذریعہ تعلیم کی حالیہ تبدیلی سے اردو میڈیم اور انگلش میڈیم کا فرق ختم ہوجائے گا اور امیر و غریب میں مساوات قائم ہوجائے گی۔کیا ان سکولوں کے لاکھوں بچے کہ جنہیں پینے کا پانی میسر نہیں، رفع حاجت کے لیے اساتذہ تک کے لیے کوئی سہولت نہیں، بیٹھنے کو بعض اوقات ٹاٹ بھی میسر نہیں ہوتے اور ناکافی عمارات کے سبب وہ بچے درختوں کے نیچے پڑھنے پر مجبور ہوتے ہیں، نام نہاد انگلش میڈیم

میں تعلیم حاصل کر کے کئی پشتوں سے امیر و کبیر بچوں کے برابر ہو جائیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر ایسے سکولوں کے بچے رٹ رٹا کر پاس ہو بھی جائیں گے تو ان کی حیثیت میاں مٹھو قسم کے طوطوں سے زیادہ (مراعات یافتہ طبقہ کے سامنے) کچھ نہیں ہوگی۔ چند سال پہلے تک لاہور کا ایک گرلز کالج بَڑ کے ایک بہت بڑے درخت کے نیچے قائم تھا (مشاہداتی روایت پروفیسر حافظ محمد اشرف سابق صدر شعبہ معاشیات گورنمنٹ کالج آف سائنس، وحدت روڈ لاہور)۔ صاف ظاہر ہے وہ کالج کسی ''پوش'' آبادی کا تو نہیں تھا۔ مقام افسوس ہے کہ گزشتہ صدی کی نویں دہائی میں لاہور میں ہی ایک مڈل اسکول ایسا بھی تھا کہ چھٹی کے وقت اس کے اساتذہ ملحقہ سرکاری ہسپتال کی لیٹرین میں اپنا سامان رکھ کر جاتے اور اگلے روز آ کر نکالتے اور سکول لگا لیتے تھے۔ ماشاء اللہ اب ایسے سکولوں کے بچے ترقی کی منازل بڑی تیزی سے طے کرنے لگیں گے (مشاہداتی روایت سید احسان اللہ وقاص سابق ایم پی اے، پنجاب اسمبلی، لاہور)۔

انگریزی ذریعہ تعلیم (صوبہ پنجاب تک) کے حق میں ایک کونے سے یہ آواز بھی اٹھتی ہے کہ نصابات تیار ہو چکے ہیں اور فیصلہ ہو گیا ہے، لہٰذا اسے کیسے بدلیں؟ یوں تو پاکستان کی تاریخ میں ارباب اقتدار نے خود کیے ہوئے لاتعداد فیصلے بدلے ہیں لیکن سب سے بڑی مثال جوہر آباد میں پاکستان کے دارالحکومت کا فیصلہ ہے جس کی شہادت کے طور پر وہاں اب تک کچھ عمارات بھی موجود ہیں۔ بعدازاں قومی مفاد میں اس فیصلے کو بدلا گیا اور اسلام آباد کے نام سے نیا شہر آباد کر کے اسے ملک کا دارالحکومت بنا دیا گیا۔ اسی طرح ۲۰۰۸ء میں مسلم لیگ (ن) نے مشرف حکومت کے تحت انتخابات کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا جسے تبدیل کر کے الیکشن میں بھرپور طریقہ سے حصہ لیا گیا۔

اصل ضرورت اس امر کی ہے کہ نظام تعلیم و تدریس میں بنیادی تبدیلیاں لائی جائیں اور اساتذہ کو نظم و ضبط کا پابند بنایا جائے۔ اب دیہات تک میں اکیڈمیوں کی وبا پھیل چکی ہے۔ سرکاری سکولوں اور کالجوں میں اساتذہ وطلبا کی دلچسپی صرف حاضری تک محدود رہتی ہے۔ احقر کے اپنے آبائی علاقے میں ایک روز ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر نے غیر حاضر اساتذہ کو معطل کیا تو دوسرے روز سینیٹر صاحب نے ان سب کو بحال کروا دیا۔ ان حالات میں انگریزی ذریعہ تعلیم کا امرت دھارا کیا رنگ دکھائے گا؟ جو طلبہ اردو میں کتابیں پڑھ پڑھا کر پاس ہو جاتے تھے اب صرف ناکامی کا منہ ہی دیکھیں گے۔ کیونکہ طلبا کو اپنی زبان میں جو کچھ سمجھ آ جاتی ہے اس سے بھی عاری ہو جائیں گے۔ یہ بھی سننے میں آ رہا ہے کہ پنجاب میں پاکستانی طبلے پر امریکی تھاپ اور ڈالروں کی جھنکار کے تحت اردو کے رقصِ بسمل کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ ایسے میں ایک ہندو شاعر آنند نرائن مُلّا چشمِ تصور میں یہ کہتے دکھائی دے رہے ہیں۔

گو لاکھ ہو رنگت پھولوں میں خوشبو جو نہیں تو کچھ بھی نہیں

اس ملک میں چاہے ہُن برسے اُردو جو نہیں تو کچھ بھی نہیں

رہی بات عوام الناس اور اقتدار کی غلام گردشوں سے باہر کے حضرات کی تو جن کے دل پر یہ تحریر دستک دے وہ

ہر آئینی اور جمہوری ذریعہ اختیار کر کے اپنے ملک اور دینِ اسلام سے آئندہ نسلوں کے کٹ جانے سے بچاؤ کی تدابیر کریں۔ یعنی انگریزی ذریعہ تعلیم کے فیصلے کو تبدیل کروانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ رہا سوال کہ کون کیا کرے؟ کیسے کرے اور کب کرے؟ اس کا جواب ہر شخص کے پاس خود موجود ہے۔ کیونکہ ''جو کام ہمیں کرنا ہو اس کے لیے طریقے بہت اور جو نہ کرنا ہو اس کے لیے بہانے بہت''۔ عزیز قارئین! پیش خدمت مقالہ میں مختصر مگر جامع طور پر زیر بحث لائے گئے مختلف پہلوؤں کے بغور مطالعہ سے آپ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہو گی کہ انگریزی کی بجائے اردو ہی ہمارے لیے بہترین ذریعہ تعلیم ہے لہٰذا موجودہ صورت حال میں ہم سب کا قومی فریضہ ہے کہ ہر سطح (تعلیمی، دفتری اور عدالتی) پر نفاذِ اردو کے لیے بھرپور جدوجہد کریں۔

درج بالا مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہمارے لیے جدوجہد کا وہی لائحہ عمل مشعل راہ ہے جو سر سیّد احمد خاں، بانیانِ مسلم لیگ (محسن الملک، نواب سلیم اللہ خان بہادر و دیگر) علاّمہ اقبال، سر شیخ عبدالقادر، قائداعظم، بابائے اردو مولوی عبدالحق، ڈاکٹر سیّد عبداللہ اور چوہدری احمد خاں (علیگ) نے اختیار کیا۔ اس غرض کے لیے وطن عزیز کے تمام محبّ وطن حضرات اپنی مالی حیثیت اور مقام و مرتبہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے، درج ذیل اقدامات کر کے یہ قومی فریضہ سر انجام دے سکتے ہیں۔

۱۔ متعلقہ اعلیٰ حکام (ای ڈی او، ڈی سی او، کمشنر اور وزیر اعلیٰ) سے وفود کی صورت میں ملاقاتیں کریں اور سکولوں میں اردو ذریعہ تعلیم کی بحالی کے لیے عرضداشتیں بھیجیں۔
۲۔ اخبارات کے مدیران کو خطوط تحریر کریں اور قلم کار حضرات کو کالم لکھنے پر آمادہ کریں۔
۳۔ اخبارات و رسائل میں اردو ذریعہ تعلیم کی حمایت میں کالم تحریر کریں۔
۴۔ برقی ذرائع ابلاغ سے وابستہ موثر حضرات سے ملاقاتیں کر کے انھیں اردو کی حمایت میں پروگرام پیش کرنے پر آمادہ کریں۔
۵۔ مختلف اخبارات میں فورم کے تحت اور پریس کانفرنسیں کر کے اردو سے متعلق موقف کو آگے بڑھائیں۔
۶۔ عوام کی بیداری بذریعہ آگاہی کی غرض سے اردو سیمینار اور کانفرنسوں کا انعقاد کروائیں۔
۷۔ اخبارات کے مدیران سے وفود کی شکل میں ملاقات کر کے اداریے لکھوائے جائیں۔
۸۔ اردو کے حق میں مناسب اور مختصر مگر موثر تحریر پر زیادہ سے زیادہ دستخط کروا کر اعلیٰ حکام کو ارسال کریں۔
۹۔ عوامی نمائندوں، سیاسی راہ نماؤں، علماء، وکلا اور دیگر موثر طبقات سے وفود کی شکل میں ملاقاتیں کریں اور ان سے موثر کردار ادا کرنے کی درخواست کریں۔
۱۰۔ عدالتوں میں آئینی حوالے سے رِٹیں دائر کریں۔

۱۱۔ نفاذِ اردو کے حق میں پرامن مظاہروں اور ریلیوں کا اہتمام کریں۔

۱۲۔ گلیوں اور بازاروں میں درج ذیل نعروں پر مشتمل بینر لہرائیں اور پوسٹر لکھوا کر لگوائیں:

قائداعظم کا فرمان۔ اردو ہماری قومی زبان، آئین ۳۷ کا پیمان۔اردو ہماری قومی زبان، ہماری آن ہماری شان۔اردو ہماری قومی زبان، نامنظور نامنظور۔انگلش میڈیم نامنظور، اردو ذریعہ تعلیم بحال کرو، انگریزی سے نجات۔قوم کی حیات، اردو سرکاری۔انگریزی اختیاری، اردو آئے۔انگریزی جائے، اردو بحالی۔قومی خوشحالی، پاکستان کی روح رواں۔اردو زباں اردو زباں۔

۱۳۔ بہت زیادہ مصروف کاروباری یا دیگر حضرات اردو کے تحفظ، فروغ اور نفاذ کی عملی جدوجہد میں مستعد افراد یا تنظیموں سے مالی تعاون فرمائیں۔

ضمیمہ الف

انگریزی کی غلامی کیوں؟

کیونکہ: ہم انگریزی پڑھ نہیں رہے بلکہ اس کی غلامی کر رہے ہیں۔

کیسے؟

☆ قومی زبان ایف۔اے تک لازمی اور انگریزی بی۔اے تک۔

☆ اکثر ڈرائیوران پڑھ لیکن لائسنس اور سڑکوں پر سائن بورڈ انگریزی میں۔

☆ عوام کی اکثریت ناخواندہ لیکن عدالتی، دفتری اور بنکوں کی تمام کاروائی انگریزی میں۔

☆ مقابلے کے امتحانات اردو کی بجائے غیر ملکی آقاؤں کی زبان انگریزی میں۔

☆ انگریزی کا داخلہ ٹیسٹ پاس نہ ہونے کی صورت میں اردو، عربی یا فارسی کے ایم۔فل یا پی ایچ ڈی میں داخلہ سے یونیورسٹیوں کا انکار۔

لہٰذا اس غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے

اردو بولیں اردو پڑھیں اردو لکھیں

چونکہ اردو عملاً ہمارے اسلامی اور تہذیبی ورثے کی امین اور ہماری قومی زبان ہے۔

اس لیے یہ آج عالمی سامراجی اداروں کے حملوں کی زد میں ہے جنھوں نے پاکستانی حکمرانوں کو آلہء کار بنا رکھا ہے۔

آیئے انگریزی کی غلامی سے نجات اور اردو کے تحفظ، فروغ اور نفاذ کیلئے ہمارے دست و بازو بن جایئے۔

قومی زبان اردو کا نفاذ کیوں؟

☆ تمام صوبوں کے درمیان اور صوبوں کے اندر بھی رابطہ کی فطری زبان اردو کے سوا کوئی اور نہیں۔

☆ بانیان پاکستان اور تمام ماہرین تعلیم نے قبل از آزادی اور اسکے بعد بھی اردو کو قومی زبان قرار دیا۔

☆ ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین کی دفعہ ۲۵۱ کے مطابق اردو ہماری قومی زبان ہے۔

☆ قومی زبان میں تعلیم دینا پیغمبروں کی سنت ہے: ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس نے اپنی قوم کی زبان میں ہی پیغام دیا تاکہ وہ اچھی طرح کھول کھول کر بات سمجھائے۔ (سورہ ابراہیم آیت ۴)

☆ ہر زبان ایک مخصوص تہذیب اور ثقافت کی نمائندہ ہوتی ہے اور سیکھنے والوں پر اثرات چھوڑتی ہے۔

☆ ہر سال لاتعداد طلبا انگریزی کے لازمی مضمون ہونے کے سبب امتحانات میں ناکام ہو جاتے ہیں۔

☆ مقابلہ کے امتحانات انگریزی میں ہونے کی وجہ سے متوسط طبقہ کے اکثر ذہین نوجوان اعلیٰ انتظامی ملازمتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

☆ طلبا کے نوخیز ذہنوں کو ایک مشکل اور نامانوس زبان، بطور ذریعہ تعلیم، سے نجات دلانا ضروری ہے۔

ہم کیا چاہتے ہیں

☆ صوبہ پنجاب کے سرکاری سکولوں میں حالیہ نافذ کردہ انگلش میڈیم کو فوراً ختم کیا جائے اور ہر سطح پر تعلیمی زبان اردو ہو۔ نیز پورے ملک میں یکساں نظام تعلیم رائج کیا جائے۔

☆ انگریزی سمیت چار بڑی بین الاقوامی زبانوں میں سے، کسی ایک کا سیکھنا لازم قرار دیا جائے۔

☆ مقابلے کے تمام امتحانات اردو میں ہوں اور اسے عدالتوں اور دفتروں میں نافذ کیا جائے۔

☆ علاقائی زبانوں کی کی اہمیت کو تسلیم کر کے اوران کے فروغ کے لیے مناسب اقدامات کیے جائیں۔

☆ غیر ملکی زبانوں میں ٹیکنالوجی کو قومی زبان میں منتقل کرنے کے لیے دارالتراجم قائم کیے جائیں۔